سلسۂ اشاعت نمبر 38

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید محمد ابراہیم فردوس مکانؒ

مصنف

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ

ناشر

ڈیجیٹل لائبریری آف نور ہدایت فاؤنڈیشن

امام باڑہ غفران مآبؒ، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳ (یوپی) انڈیا

ا

نام کتاب: آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید محمد ابراہیم فردوس مکانؒ

مصنف : زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ

تاریخ وسنہ اشاعت (آنلائن) ۱ر دسمبر ۲۰۱۹ء

ناشر : ڈیجیٹل لائبریری آف نور ہدایت فاؤنڈیشن

مدیر : سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی

نائبین مدیر: سید قائم مہدی نقوی تہذیب نگروری

فیروز علی کوپا گنج مئو (تزئین کار)

عظمت علی مبارکپوری

امام بارہ غفران مآبؒ، مولانا کلب حسین روڈ،

چوک، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳ (یو پی) انڈیا

عرض نور

علم وادب کی دنیا میں 'ماہنامہ' کی اپنی ابلاغی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ 'جلد بازی کے ادب' صحافت میں ایک حدتک استقامت کا رنگ بھر کر اسے علمی وادبی متانت کا قابل توجہ بنا دیتا ہے اور 'کتابی' انداز کی پذیرائی اور یادگاری کے قریب تر کر دیتا ہے۔ کچھ یہی وجہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں علمی وسائنسی تحقیقی مجلوں میں ماہنامہ کا غلبہ قائم ہے۔ ایسے مجلّے عموماً اختصاصی ہو گئے ہیں اور اپنے معیار ومقدار کے لحاظ سے بڑے معتبر وموقر ہو چکے ہیں۔

دینی وملی ماہنامہ جو بنیادی طور پر اختصاصی ہوتے ہیں، ان کی بھی اپنی روایت رہی ہے اور اپنا خاص مقام۔ اردو زبان میں برصغیر ہند میں ایسے ماہناموں کی تاریخ قدیم بھی ہے اور درخشاں بھی۔

ماہنامہ 'شعاع عمل' ایسے ماہناموں کی صف میں شامل ہونے والا نسبتاً تازہ اضافہ ہے۔ پھر بھی یہ اپنی اشاعت کی 'صدی' برسوں پہلے مکمل کر چکا ہے اور 'دوسرے عشرہ' کی تکمیل کی طرف اپنے استقلال کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اس 'کم عمری' میں اپنے نمود اور بلوغ نظر کے جھنڈے گاڑ چکا ہے۔ ساتھ ہی کئی جہات سے اپنے امتیازات اور خصوصیات ثبت کر چکا ہے۔ 'شعاع عمل' میں ابتدا سے معیاری علمی وتحقیقی مشمولات کے ساتھ 'یادگاری' کا عنصر نمایاں رہا ہے۔ علم وقلم کی نوابغ روزگار ہستیوں کی یادگار زمانہ مضامین کے ساتھ اس کا ہر شمارہ یادگار اور قابل قدر رہا اور مقبول عوام وخواص بھی۔ اسی یادگاری کے عنصر کے پیش نظر اس کے مطبوعہ ومطبوع عام معیاری مضامین کو ایک ایک کر کے سرِ دست نور ہدایت فاؤنڈیشن کی آن لائن ڈیجیٹل لائبریری سے سالکانِ راہ تحقیق کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔

زیرنظر پیش کش بھی مذکورۂ بالا سلسلہ کی ۳۸ ویں کڑی ہے جس کا موضوع آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید محمد ابراہیم فردوس مکان ؒ ہیں۔ جس کے مصنف زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ ہیں۔

امید ہے، ہمارے اہل ذوق ونظر قارئین کرام ہماری اس پیش کش کو بھی شرف قبولیت اور ہمیں اپنے مفید آرا سے سے نوازیں گے۔

سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی
دبیر مؤسسۂ نور ہدایت، لکھنؤ

❁❁❁

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء

سید محمد ابراہیم فردوس مکانؒ

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرف اول

وہ عظیم شخصیتیں جنھوں نے ہمارے خیال اور کردار ہماری قومی فکر اور ملی جذبہ کو ایک سے زیادہ پہلوؤں سے متاثر کیا، ان میں خاندان غفران مآبؒ کے چشم و چراغ فردوس مکان سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ مجتہد سید العلماء کی شخصیت بہت نمایاں ہے وہ برصغیر میں ممتاز حیثیت سے عظیم خوبیوں کے مالک اور شیعیت کے پرخلوص ترجمان، کریم النفس انسان، قوم پرور مفکر تھے۔

انہیں کی عظیم شخصیت تھی جس نے سلطنت اودھ کے زوال اور قوم کے روزافزوں انحطاط میں جب کہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور انقلاب غدر ۱۸۵۷ء کے جھٹکے ملک کو پنپنے نہیں دے رہے تھے راہنما کی ضرورت کو بدرجہ اتم پورا کیا اور اپنی ہمہ گیر قبولیت سے تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔

انگریز حکمران نے سلطنت اودھ کو غصب کرتے ہی مسیحیت کی تبلیغ اور رعایا کی غلامی کو پختہ کرنے کے لئے کوئی حربہ نہیں چھوڑا جو استعمال نہ کیا ہو۔ ان کی بڑھتی ہوئی طلب کو پیہم مدد پہنچانے کے لئے کچھ ملت فروش حکام نے ساز باز میں مصروف اور ہوس اقتدار کے شکار بن کر شیرازہ ملت منتشر کر رہے تھے۔ ان کے حساس دماغ نے قوم کو چونکایا اور فرائض کو اجاگر کر کے احساس مذہب کو مستحکم کیا۔ انہیں کی ہمہ گیر

شخصیت تھی جس نے مذہب پرست قوم میں مغربی تعلیم کی مشروط منظوری سے شیعوں میں اہم مکتبہ فکر کی بنیاد ڈالی اور آج جدید علوم وفنون کے میدان میں ہماری کامیابیاں انھیں کی مخلصانہ تجویز کا نتیجہ ہیں اور اسّی برس کے قریب ہو رہے ہیں، ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پُر نہیں ہوسکتا قوم میں نشاۃ ثانیہ کے لئے فردوس مکان نے روح پھونکی اور وہ باقیات الصالحات چھوڑ گئے جن کے فیوض کی نہریں آج بھی جاری ہیں۔

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ ھُوَ حَسْبِیْ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلِ

فقیر اہلبیت آغا مہدی لکھنوی (۲۸ / رمضان المبارک سنہ ۱۳۸۶ھ)

تاریخ ولادت اور ابتدائی زندگی

۱۰/ جمادی الآخر سنہ ۱۲۵۹ھ ۹/ جولائی سنہ ۱۸۴۳ء کو دار السلطنت لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ جد امجد سید العلماء علیین مکان نے ساتویں دن عقیقہ میں محمد نام اور ابراہیم لقب قرار دیا۔ یہ وہ وقت ہے کہ آپ کے والد علام ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی کا شہرۂ علم وکمال روز روشن میں بلند ہوتے ہوئے سورج کی طرح چمک رہا تھا۔ نو مولود فرزند اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا۔ قطعہ تاریخ ملاحظہ ہو:

مولائے خلق مجتهد العصر والزماں

مهر سپهر رفعت و خضرِ رہِ رشاد

ہمنام نور دیده خیرالوریٰ حسینؑ

دریائے علم وآیه رحمت پیٔ عباد

سید تقی که اوسط اولاد شان بود

بدر منیر فضل، مه ساطع سداد

ایزد بآں جناب چو از لطف خاص بود

فرزندِ پاک طینت و طفل سعید داد

عباس گفت مصرعه تاریخ مولدش

ایں تازہ گل دمیدہ گلزار اجتہاد

سنہ ۱۲۵۹ھ

پانچویں برس بسم اللہ ہوئی اور سلطان العلماء رضوان مآبؒ نے تعلیم کا پہلا فرض بہ نفس نفیس خود ادا کیا۔ اور جوہر قابل پر جلاء شروع ہوئی۔

مکتبہ ممتاز العلماء میں وہ پارہ قرآن موجود ہے جو آپ کی تعلیم میں شاہراہ تھا اور معلم کی تادیب سے جا بجا آنسوؤں نے صفحہ قرطاس پر حرفوں کی سیاہی کو پھیلا دیا۔ نویں برس ختنہ ہوا۔ یہ اسی عہد علم و ادب کا ذکر ہے، جب لکھنؤ با کمال شعراء سے چھلک رہا تھا اور ارباب ادب کی نگاہیں ساحت کمال سے لڑی ہوئی تھیں۔ عابد علی تمناؔ نے صدائے تہنیت میں یہ مادہ تاریخ ترتیب دیا ؎

سال تاریخ تمناؔ زخرد جست بگفت

از پئے دین نبی حجت قطعی انیست

سنہ ۱۲۶۷ھ

افکار کی رفعت میں خانوادہ علم کی بلندی کا بھرپور تصور تھا دوسرے شاعر نے طائر خیال کو فلک تک پہنچایا اور پرخلوص لہجہ میں عرض کیا ؎

مہ برج امید سید تقی

بہ اوج آفتاب و بہ طلعت قمر

چوں مختون شد فضل حق آں سعید

سرودِ طرب زہرہ بنمود سر

زروے ادب گفت سالش عزیز
ہلالے ز ابر تنگ شد بدر
سنہ ۱۲۶۷ھ

گردوپیش میں ہر طرف علمی چرچا اور جسمانی تربیت پر کوئی خاص توجہ نہ دینے سے آپ کا شمار تنومند اطفال میں نہ تھا۔ علم تجوید کی تحصیل میں ہمزہ کی ادائیگی پر مشق میں منہ سے خون آگیا۔ ابتدائی تعلیم اور ختم قرآن کی سعادت کے بعد صرف ونحو، منطق، ریاضی، حکمت کی تحصیل میں مولوی کمال الدین کا نام نامی نظر آتا ہے جنھوں نے اپنے کمالات کی تصویر بنا دیا۔ پندرہویں برس حقیقی چچا زبدۃ العلماء معین المومنین سید علی نقی اعلیٰ اللہ مقامہ کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ شادی ہوئی۔ سلطان العلماء اور سید العلماء کی پرشکوہ وکالت سے صیغہ ہائے عقد جاری ہوئے۔ زبدۃ العلماء آخری تاجدار اودھ کے خاص عالم تھے۔ ان کا قصد تھا کہ لڑکی کا جہیز اونٹوں پر بار کر کے جلوس کی صورت میں دولہا کے گھر جائے۔ ممتاز العلماء نے چھوٹے بھائی کی اس اولوالعزمی کو ناپسند کیا اور اپنے شریعت کدہ پر بجز عروس کے کچھ نہ آنے دیا۔ کیوانؔ نے اس قرآن السعدین پر عرض کیا۔

وَلَدُ الْمُجْتَهِدِ مُحَمَّدُ نِ التَّقِيّ
خِلَافَةً بِحَيَاتِهٖ مُتَفَرِّجُ
هُوَ لَيْلَةَ الْعِيْدِ الْغَدِيْرِ مُنَاكِحُ
اَرَّخْتُ فِيْ ذِيْ حِجَّةٍ مُتَزَوِّجُ
سنہ ۱۲۷۲ھ

دوسری تاریخ بہ زبان فارسی ہے جو کچھ تعجب نہیں کہ مرزا دبیرؔ مرحوم کی

ہووہ اس خانوادہ کے مقلد تھے۔

خلف الصدق سید العلماء
ببلاد و دیار می نامند
پسر اوست سید ابراہیم
به بساط عروسی آرامد
یا الٰہی مدام بادہ عیش
بایاغ سروراں نامند
شب چو آن ماہ کدخدا گردید
ابتدائش بخیر انجامد
کرد سالش رقم دبیر فلک
مشتری ہان بعقد مہ آمد

سنہ ۱۲۷۲ھ

تاہلی زندگی کے بعد تحصیل علم میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوئی۔ بچپنا جوانی حیرت ناک سن وسال تھے۔ نہ کبھی عام لڑکوں کی طرح کھیل کود میں چھٹپن گذرا اور نہ شباب میں دنیاوی زندگی بسر ہوئی۔ چہرہ پر آثار تدبر، صورت سے بردباری آشکار تھی۔ عہد شاہی کا عربی سیرت نگار ابتدائی زندگی کے اظہار میں رقم طراز ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنَ دَاْبُهُ لَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا هَمْسًا وَلَا يَمْشِي اِلَّا مَيْسًا۔ ان کی بہترین تہذیب یہ تھی کہ ہمیشہ آہستہ بولتے تھے اور کبھی نخوت کی رفتار نہ چلے۔ باپ اور دادا کی توجہات سے سولھویں برس جامع علوم قرار

پا کر مجتہد ہوئے۔آخری تعلیم سرکار ممتاز العلماء سے نماز صبح کے بعد باغ کی روش پر ٹہل ٹہل کر حاصل کی مشائیں کی یاد تازہ کی۔

ابھی تک بزرگوں کے سایہ عطوفت میں پرورش پا رہے تھے سب سے پہلے ۱۲۷۳ھ میں دادا کا سایہ سر سے اُٹھا۔ پھر غدر ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے خواب وخور حرام کر دیا۔ مصائب وآلام کے پل صراط سے بڑی چابک دستی کے ساتھ گذرے۔وطن کے جیالے جانبازوں کی سرفروشی مدت تک دل ودماغ میں جگہ کئے رہی۔رفتہ رفتہ دور امن پھر پلٹا تھا کہ ۱۲۸۴ھ میں قوم کے سر سے سلطان العلماء کا سایہ اُٹھا اور ذات ممتاز العلماء میں مرجعیت کا انحصار ہوگیا۔

ممتاز العلماء کا انتقال اور قائم مقامی

شفیق باپ نے نوعمر بیٹے کے علمی معیار کو دیکھ کر اجازہ دینے کا ارادہ کیا مگر قضاء قدر نے یہ روز مسرت ان کو دیکھنا نصیب نہ کیا اور شب قدر کی عبادت کے بعد ۲۴ رمضان ۱۲۸۹ھ کو ہیضہ میں مبتلا ہو کر دفعتاً رحلت کی، وہ گھرانا جس کی (تقلیل) غذا شہرہ آفاق جس نے ترکاری یا گوشت کبھی نوش نہیں کیا اور ہمیشہ روٹی کا ٹکڑا شوربہ کے ساتھ کھاتے رہے، اس کو کالرا حیرت کی بات تھی مگر حالات کا جائزہ لینے پر اندازہ ہوا کہ راتوں کو بیدار رہنے سے سوء ہضمی ہوئی۔شب وفات تک تفسیر قرآن کی خدمت میں مصروف تھے۔شہر میں وباء تھی پہلی استفراغ پر طبیب نے سکنجبین دی اور آثار موت طاری ہوئے۔شہر میں وفات سے ہلچل پڑگئی۔شہر کے نفاست پسند دستور کے مطابق سلاطین اور علماء کے لئے اس وقت صندل کا صندوق اور تابوت پر نیا شامیانہ تیار کئے بغیر استعمال شدہ سامان میں تجہیز وتکفین نہ ہوتی تھی۔حادثہ عظمیٰ نے دیوار و در پر آثار غم طاری کئے اور تقریباً ایک لاکھ مشایعت کرنے

والوں کے جمِ غفیر میں لاش دریائے گومتی سے عقب مسجد تحسین ذاتی امام باڑہ کے لق و دق صحن میں پہنچی۔ اولاد کا غم والم میں جو حال تھا، اس سراسیمگی میں حفظ مراتب کا جذبہ باقی رہا۔ نماز جنازہ کے لئے ہر طرف یہ پکار کہ سید محمد ابراہیم آئیں اور نماز میت شروع ہو۔ آپ نے صمیم قلب سے عذر کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت کے موجودہ علماء اور تلامذہ غفران مآبؒ میں بہتر وافضل جناب مولانا میر احمد علی صاحب (محمد آبادی) ہیں۔ مناسب ہوگا کہ یہ خدمت وہ انجام دیں اس سادگی طبع اور کسر نفس پر شور گریہ بلند ہوا اور حجۃ الاسلام مولانا احمد علی خود روتے ہوئے آگے بڑھے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر تابوت تک پہنچایا اور خود عقب میں اقتداء کی۔ اہل علم میں کوئی ایسا نہ تھا جو صف اول میں نظر نہ آرہا ہو۔ مجلس سویم میں روساء اودھ کی طرف سے خلعت تعزیت دیا گیا اور مسند آباؤ اجداد کا وارث قرار دے کر قائم مقام کیا اس جانشینی کے بعد شہر کا پہلا جمعہ ماہ صیام میں جمعۃ الوداع اور ۲۷ رماہ مبارک کو آپ کی اقتداء میں، جو مسجد تحسین پر ہوا، اس کی تاسیس و تعمیر میں علامہ سید غلام حسنین کنتوری کے خدمات نظر انداز نہیں ہو سکتے۔ آپ کی تجویز سے اس اچانک حادثہ میں تعزیت کے سلسلے کو روک کر جمعہ کے دن پر اٹھا رکھا تھا اور کسی کو شریعت کدہ پر آنے کی نوبت نہ آنے دی یہی راز تھا کہ تمام اہل علم خصوصیت سے اپنے فرض کا احساس کر کے الوداع کی نماز میں موجود تھے اور مسجد تحسین پر یہ ہجوم کبھی نہ ہوا۔ سقف و در اور بالائے بام حمام پر نمازیوں کی صفیں تھیں۔ آپ پھر سجادہ تک جانے میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے تھے۔ یہ حالات شرح و بسط سے آپ کو میرے تالیفات (۱) میں ملیں گے۔

اس وقت کے عربی اخبار نے اپنے نمائندہ کے ذریعہ پنجاب سے سرگزشت نشر کی اور یہ الفاظ صفحہ تاریخ پر چھوڑے۔ قَدْ صَلّیٰ خَلْفَهُ اَكَابِرُ الْعُلَمَاءِ وَعَمَائِدُ الْفُضَلَاءِ

اَلْقَاطِنِیْنَ بِبَلْدَۃِ لَکْھَنُو وَاَجْلَسُوْہُ عَلٰی وِسَادَۃِ اَبِیْہِ بِالتَّعْظِیْمِ وَالتَّکْرِیْمِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَامِلُوْنَ الْمَاھِرُوْنَ اِجْتِھَادَہٗ بِالْاِطَاعَۃِ وَالتَّسْلِیْمِ لِاَنَّہٗ اَحَقُّ الْاِجْتِھَادِ بَعْدَ اَبِیْہِ۔

ترجمہ: ان کے عقب میں نماز پڑھی بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں نے جو شہر میں اقامت گزیں تھے اور ان کے والد علام کی جگہ پر بٹھایا اور ماہرین فن نے ان کی اجتہادی قوت کو تسلیم کیا۔ اور باپ کے بعد منصب کے حقدار وہی تھے۔

پوری قوم نے تقلید کی علماء عراق کے خطوط تعزیت بڑے گرانقدر الفاظ پر مشتمل موصول

(۱) ذوائب جلد سویم

ہوئے جو مستقل اجازات کا درجہ رکھتے ہیں مگر ہم جب آپ کے عملیہ کو دیکھتے ہیں تو احتیاطی فتاویٰ کے سوا ذاتی رائیں نظر نہیں آتیں اور جہاں اجتہاد کیا، وہ فقہ جعفری میں ایک سنہرا باب ہے۔ خود مختار ہونے اور منصب جد و پدر تک پہنچنے کے بعد عوامی بہبود و فلاح، سماجی ترقی، معاشی خوشحالی، ہر شعبہ زندگی میں قوم کی خدمت کی۔ ہر مشکل، ہر ضرورت پر کڑے وقت پر قوم کی آواز پر لبیک کہا اور مذہب کی تعمیر و استحکام میں حصہ لیتے رہے۔

بلندی فکر

آپ کو قائم مقام جد و پدر کی وہ خصوصیت تھی جس کی وجہ سے علمی مشکلات میں برصغیر کے چپہ چپہ کی نگاہیں ان پر اور صرف ان پر تھیں، حالانکہ تلامذہ غفران مآب، سید العلماء کے شاگرد بھی اس وقت موجود تھے اور ان نفوس قدسیہ میں وہ اتحاد عظیم تھا کہ درجات میں برتر ہونے کے

باوجود ہر ایک تعظیم کرتا تھا اور مسجد تحسین کی جماعت میں منبر سے محراب کے پاکھے تک صف اول میں عمامے ہی عمامے نظر آتے تھے اور ہر ایک فرد فرید تھا۔ اس بہتات میں کسی رئیس نے اپنے گھر بھر سے حج کا ارادہ کیا مگر داماد نے اپنی اہلیہ کو باپ کے ساتھ سفر کی اجازت نہ دی۔ رئیس نے علماء سے رجوع کی۔ سب نے بالاتفاق یہی کہا کہ اطاعت شوہر مرضی پدر پر مقدم ہے۔ آخر میں یہ مسئلہ فردوس مکاں کے پاس آیا جب وہ مصلّی پر تھے استفتاء زیر جانماز رکھ کر حکم دیا کہ کل آنا۔ دوسرے روز یہ لکھ کر کاغذ واپس کیا کہ باپ بیٹی کو اگر اس قدر مال وزر اپنے سرمایہ سے دے دے کہ وہ خود مستطیع ہو جائے تو بلا اجازت شوہر حج کرسکتی ہے۔ اس جواب نے دنیائے علم میں ہلچل پیدا کردی تمام معاصرین فکر رسا کے قائل ہو گئے۔

ہمہ گیر اثر اور جرائم پیشہ پر نظر

ملک کے طول وعرض میں آپ کے خدمات کا وہ بے پناہ اثر اور ہر دل عزیزی اس قدر وسیع تھی کہ عہد شاہی میں آپ کے ماموں جن کا وطن مالوف نصیر آباد ضلع رائے بریلی تھا لکھنؤ آئے کسی ضرورت سے یحییٰ گنج کے تنگ راستہ سے گذر رہے تھے، کچھ غنڈوں نے قیافہ سے جانا کہ دیہاتی ہے اس کو لوٹ لینا چاہئے۔ ٹوکا اور تلوار چلنا شروع ہوئی۔ یہ اکیلے اور وہ کئی۔ دیر تک مقابلہ ہوا اس قسم کی شمشیر زنی راہ گلی میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہجوم عام ہو گیا۔ اس زمانہ کا خاص ذوق تھا کہ جس کو کمزور نہ پاتے اس کی ہمدردی کی ضرورت نہ تھی۔ ہاتھوں کی صفائی، دل کی پامردی دیکھنے والوں کے ٹھٹھ لگ گئے۔ حسن اتفاق سے سید صاحب کا اس مجمع میں کوئی شناسا نکل آیا اور وہ صفوں کو چیرتا ہوا تلواروں کے نزدیک آیا اور حملہ آوروں سے کہا کیا غضب کرتے ہو۔ یہ جناب کے ماموں ہیں کھنچی ہوئی تلواریں روک لی

گئیں اور شمشیر بکف دشمن کے سر ندامت جھک گئے۔ خیریت یہ ہوئی کہ طرفین میں کوئی زخمی ہونے نہیں پایا تھا۔ سید صاحب نے عالم کا یہ احترام دیکھ کر فکر انتقام سے منھ موڑا۔ تلوار نیام میں رکھی اور بال بال بچ کر بھانجہ کے شریعت کدہ پر پہنچ گئے۔ آپ کے معلومات میں معلوم کرکے اضافہ ہوگا کہ اس مرد دلیر کی آخری آرام گاہ امام باڑہ غفران مآبؒ ہے جہاں وہ اپنی موت سے مرنے کے بعد سپرد زمین ہیں۔ ان کی نسل بھارت اور طہران میں موجود ہے۔

انگریزی تعلیم

عہد فردوس مکاں کے اہم مسائل میں مسلمانوں کے سامنے انگریزی تعلیم کا وہ سخت مرحلہ تھا جس کے نفع اور ضرر پر ارباب دانش کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے تھے۔ جنگ آزادی میں ہر مکتب خیال کی قربانیاں ارض وطن کو خون ناحق سے رنگین کر چکی تھیں۔ انگریزوں کو دیس سے نکالو کی صدائیں جو فضا میں گونج رہی تھیں، ان کو عوام فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ اس عام نفرت میں سرسید احمد خان کا انگریزیت کی بنیاد قائم کرنے اٹھ کھڑا ہونا، قوم سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس موقع پر تمام مسلمانوں نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ نہ ان کو بہی خواہ ملت سمجھے ان کے ترجمان اور ''آرگن'' ''تہذیب الاخلاق'' کی آواز مذہب میں ڈوبی ہوئی ہستیوں کو آزادی کا درس دینے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ ملک کے چپہ چپہ سے ان کی مخالفت میں صدائیں بلند ہوئیں۔ یہ ہیجان اس وقت کی شائع شدہ کتاب اِمْدَادُ الْاٰفَاقِ لِرَجْمِ اَھْلِ النِّفَاقِ کے مطالعہ سے واضح ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوئی اور سرسید کو منکر معراج قرار دے کر سہارنپور دیوبند، دہلی، لاہور کے تمام اسلامی مدارس کو ناکافی سمجھنے کے

جرم میں زیادہ سے زیادہ تاثرات کا اظہار کر کے قابل بیزاری قرار دئیے گئے۔ تمام علماء کرام اور آئمہ مساجد کے منادی ان کے خلاف شائع ہوئے اور کتاب کے آخر میں جو اشتہار ہے اس میں خاندان غفران مآبؒ کے صرف ایک عالم ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب مرحوم وہ تھے جن کی تحریر کھلے ہوئے لفظوں میں نہ تھی۔ فتویٰ حاصل کرنے والا طبقہ اس کو اپنی تائید میں سخت ترین سمجھتا رہا۔ اور کالج کے حامی اس کو اپنے لئے مفید سمجھے۔ آپ کا جواب بھی دوسرے ہم عصر علماء کی طرح عربی میں تھا۔ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔

(سورہ مائدہ آیت ۲)

مہر شریف

لا الہ الا اللہ الصمد الاحد

عبدہ سید بندہ حسین بن سید محمد

۱۲۸۳ھ

تمام جوابات میں یہ زلزلہ افگن انداز قرآنی لب ولہجہ میں ہونے سے اپنی جگہ وہ اٹل فیصلہ تھا۔ مخالف سمجھتا رہا کہ وہ اس اقدام میں عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں اور سرسید سا عالی دماغ اس کو اپنی مدد تصور کرتا رہا۔

ملک العلماء کا انتقال ۱۲۹۴ھ میں ہوا۔ سرسید کو یقین تھا کہ خاندان اجتہاد نے بھی علی گڑھ کالج کی مخالفت نہیں کی۔ کالج بن جانے کے بعد ملک العلماء کے مختلف البطن بھائی تاج العلماء سید علی محمد صاحب کو کمیٹی کا ممبر بنایا، مگر آزادی اور مذہبیت میں آگ اور پانی کی نسبت تھی تاج العلماء سر

سید کے ہمنوا نہ ہوسکے اور کمیٹی سے سبکدوش ہونا پڑا۔ایک درس گاہ کا اتنے بڑے مسلم الثبوت عالم کے مشوروں سے حرمان معمولی بات نہ تھی۔تاج العلماء نے تنقید کا صور جس بلند آہنگی سے پھوکا، اسے ان کے اور سرسید کے مرجانے پر بھی دنیا نہیں بھولی اور۔۔۔کی کامیابی پر حق کی کنارہ کشی ضبط تحریر وتدوین میں آ کر رہی۔(۱)

فردوس مکان فطرت بشری کی کمزوریوں پر اچھی طرح ناظر تھے ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْ کِہِمْ (لوگ حکمران کے مسلک پر رفتہ رفتہ آجاتے ہیں) کی پیشین گوئی پوری ہوکر رہے گی لہٰذا وہ ملایان مسجد کی طرح سرسید کے کفر کا فتویٰ دینے کے بجائے مشروط اجازت دینے پر تیار ہوگئے۔

فردوس مکان کے دل میں دہریت کی داغ بیل پڑنے کا گہرا صدمہ تھا۔وہ امر بالمعروف کے شرائط پر غوروخوض کرتے تھے۔انھوں نے دیکھا کہ اسلامی مرکز کے فتوؤں کا کیا انجام ہوا۔کالج قائم ہوکر رہے گا۔اس وقت شیعوں میں ٹولیاں نہ تھیں، نہ کوئی دوسری سرکار تھی جس سے اختلاف

پھیلنے کا ڈر تھا،کمالات اولاد غفران مآب ہی میں تقسیم تھے اور کامل اعتماد تھا کہ وہ جو کہیں گے وہی قوم کا لائحہ عمل ہوگا۔وہ اکثریت کے بہاؤ میں ڈبکیاں کھاتے نہیں رہے،انفرادی حکم دیا اور اس

(۱) رسالہ معالم ماہ رمضان ۱۳۲۱ھ

سلسلہ میں وہ مرد آہن مستحق تبریک ہے جس نے زمانہ کے نشیب وفراز پر

توجہ دلا کر شریعت کدہ سے حکم جواز حاصل کیا۔

مہدی علی خاں کھٹر فردوس مکان کی صحبت میں گھنٹوں بیٹھنے والے طبقہ میں تھے، جن کے سامنے قوم کا مستقبل اور زمانہ کی نزاکت تھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سید العلماء ثانی سید محمد ابراہیم صاحب مجتہد سے انگریزی تعلیم کی مشروط اجازت حاصل کی اور طے پایا کہ جو مذہبی نگرانی اولاد کی کرسکے وہ اپنی ذمہ داری پر مغربی تعلیم دے، کوئی حرج نہیں ہے۔

صوبے دار صاحب کا اذن حاصل کرنا تھا کہ ملت چہک پڑی اور کون ایسا تھا کہ جو اولاد کے لئے دینی ذمہ داری نہ لے۔ یہ اس طبقہ کا ذکر ہے جس کو طلباء کی دنیاوی زندگی سدھارنے سے زیادہ مذہب کی آن کا پاس تھا۔

شیعہ وکلاء میں شہنشاہ حسین اس بیچ کے سربراہ تھے اور قوم میں ان سے سینئر وکلاء صرف اردو داں تھے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے، جب قوم میں اقتدار علماء روز افزوں تھا۔ دوسری قوموں کے آگے بڑھنے اور شیعہ اقلیت کے پیچھے رہ جانے کے تصور میں ان کی روح چیخ اٹھی۔ ملکی تعلیم سے بے بہرہ رہنے میں معاشرہ کی مشکلات کا اندازہ کیا۔ قوم کی آیندہ زندگی کی ناہمواری سے متاثر ہوئے اور مخالفت کے پل صراط سے بڑی چابکدستی کے ساتھ گذر گئے۔ احساسات میں تڑپ اور خدمات میں خلوص تھا، لہٰذا ان کے نظریہ پر خط نسخ کھنچ نہ سکا۔ قوم میں اس وادی سے گذر کر جو جو معراج کمال پر پہنچا وہ فردوس مکان کا صدقہ تھا۔

الہ آباد میں تبلیغ دین

ہندوستان کے ہر گوشہ میں تلامذہ غفران مآبؒ رشد و ہدایت کے

چراغ روشن کر چکے تھے اور مقصد تبلیغ بڑے حسن وخوبی سے پورا ہو رہا تھا یاد رہے کہ ملک میں سفر کر کے دورہ کرنا شخصیت علماء کے منافی تھا۔عراق سے آنے کے بعد غفران مآبؒ دیس سے باہر نہیں گئے، رضوان مآب سید العلماء نے وطن سے قدم نہیں نکالا کچھ مقامات وہ تھے جہاں کے باشندے چاہتے تھے کہ مقامی عالم پر اکتفا نہ ہوتے ہوئے آپ کا خصوصی نائب زحمت سفر برداشت کرے اور دینی خدمات انجام پائیں۔

سید العلماء کے دفتر کا انتظام اس قدر مکمل تھا کہ درآمد و برآمد خطوط کے لئے ان کے لا تعداد مخلصین کے نام اور پورے پتے ایک بڑی کتاب میں درج تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی تحریریں ملک کے چپہ چپہ پہنچتی ہیں اور ضروری کاغذات کے محفوظ رکھنے کا انتظام تھا جو اللہ کے فضل و کرم سے آج تک موجود ہے۔

ان مراسلات پر نظر تعمق سے واضح ہوا کہ الہ آباد کے اہل ایمان نے ماہ صیام کے لئے فردوس مکان سے عالم طلب کیا اور انھوں نے نظر انتخاب سے جس کو مامور کیا وہ زہد وورع میں ممتاز اور تلامذہ خانوادہ غفران مآبؒ میں نمایاں شخصیت حجۃ الاسلام سید ابوالحسن عرف ابو صاحب قبلہ تھے جن کو جناب ممتاز العلماء طاب ثراہ کی دامادی کا بھی شرف حاصل تھا۔فردوس مکان کی حقیقی بہن حضرت عماد العلماء سید مصطفی عرف میر آغا صاحب قبلہ فقیہ کو منسوب تھیں اور مختلف البطن بہن حجۃ الاسلام سید ابوالحسن صاحب مذکور کے حبالہ عقد میں تھیں۔

مفتی میر عباس صاحب قبلہ جوہر دو صاحبان میں طبقہ اولیٰ کے عالم تھے، کبھی کلکتہ اور زیادہ تر نواب نظام الدولہ وزیر اودھ کے علاقہ کانپور میں گنگا پار اہم دینی خدمات انجام دیتے رہے تھے۔الہ آباد شیعیت کا مرکز اور

ملک پر انگریزوں کے تسلط نے دہلی کے بجائے کلکتہ کو راجدھانی بنا رکھا تھا۔ اور لکھنؤ کی جگہ الہ آباد کو دی تھی۔ جمنا پار کا علاقہ ایمان وعمل کی چھوٹی بڑی بستیوں سے معمور تھا مرکز سے الہ آباد کے مؤقر رئیس نواب ابو علی حسن جان صاحب نے پیشنماز کی تحریک کی اور فردوس مکان نے اس خدمت دین کے لئے حجۃ الاسلام ابو صاحب قبلہ کو اس شرط پر بھیجنے کا ارادہ کیا کہ اگر مسجد تحسین چوک کی امامت عماد العلماء منظور کریں تو ایسا ہو سکتا ہے چنانچہ نواب نے اس تجویز کا حوالہ دیتے ہوئے جو خط عماد العلماء کو لکھا وہ بجنسہ موجود ہے نقل ملاحظہ ہو:

جناب معلی القاب مولانا ومقتدانا جناب میر آغا صاحب قبلہ مدظلہٗ

پس از مراسم تسلیم عرض اینست کہ امروز جناب سید العلماء محمد ابراہیم صاحب قبلہ برعرضی بندہ کہ ہمراہ عرضی ہذا است اذن تشریف بردن جناب سید ابو صاحب قبلہ بایں شرط تحریر فرمودہ اند کہ اگر جناب میر آغا صاحب قبلہ اقامت جماعت در مسجد تحسین فرمایند زیادہ حد ادب۔ عرضی۔ فدوی ہو علی حسن جان ساکن شہر الہ آباد ۲۸/شعبان المعظم ۱۳۰۱ھ

اس خط پر جناب میر آغا صاحب قبلہ نے یہ مختصر جواب لکھا:

زاد الطافکم۔ اگر برادر عزیز مولوی سید محمد ابراہیم صاحب زاد فضلہ نحیف را بایں امر خیر مامور سازند تقریراً مشافۃً یا تحریراً پس نحیف را عذرے نخواہد بود۔ میر آغا عفی عنہ

جناب فردوس مکان نے اس سلسلہ میں عماد العلماء کو جو رقعہ لکھا اس کی نقل یہ ہے:

حسن جان خان صاحب دام مجدہم، صاحبزادہ نواب مظفر حسین خان صاحب

بہادر مرحوم و دیگر احباب از مومنین اصرار دارند کہ جناب ابو صاحب را اذن بدہم کہ حسب معمول بالٰہ آباد تشریف برند و جناب را در مسجد تحسین برائے اقامت نماز ظہرین۔ چوں ملتمس شان منوط بمصالح است و خصوصیات خاصہ آنحضرات اظہر من الشمس و ابین من الامس است اگر جناب اجابت مسئول و انجاح مامول شان خواہند فرمود اصلح و انسب خواہد شدہ بریں تقدیر جناب ابو صاحب را اذن بدہم کہ الہ آباد تشریف برند۔

قدیم تہذیب کا تقاضا یہ نہ تھا کہ اس مقصد عظیم کے لئے دعوت نامہ کافی سمجھا جائے۔ نواب زادہ لکھنؤ آئے اور فردوس مکاں کی خدمت میں اطلاع دی کہ میں اور نواب الطاف حسین خان اور جو حضرات الہ آباد کے لکھنؤ میں موجود ہیں سب کو حاضر ہونے کا وقت دیا جائے۔ جناب نے وفد کے آنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور رقعہ کے جواب میں لکھا۔

اگر جناب میر آغا صاحب اس نہج سے آپ کے التماس کو قبول فرمائیں کہ حتماً انشاء اللہ واسطے نماز یومیہ ہر روز سوائے روز جمعہ مسجد تحسین میں تشریف لا کے نماز جماعت پڑھایا کریں اور مومنین کو وعظ فرمائیں تو مجھ کو کوئی عذر نہیں بلکہ یہ امر نہایت مناسب اور بہتر ہوگا۔ مناسب ہوگا کہ آپ ان کی خدمت میں خود فرمائیں اور حقیر کی جانب سے التماس کریں کہ اگر بلاتردد اس امر کو برنہج مرقوم قبول فرمائیں گے تو جناب ابو صاحب کو اجازت الہ آباد تشریف لے جانے کی دے سکوں گا والّا معذور ہوں۔

والعذر عند کرام الناس مقبول عماد العلماء نے مسجد تحسین کی امامت منظور کی اور اہل الہ آباد اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ دعوت دہندگان کی پرخلوص تحریک میں خدا نے وہ پابندگی عطا کی۔ جناب

سید ابو صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ تا حیات الہ آباد جاتے رہے ان کی رحلت کے بعد ان کی اولاد و احفاد کی تین پشت سے تبلیغ جاری ہے اور اب تک برکات قطع نہیں ہوئے۔ دریا آباد کا نام فردوس مکان کے بحر کرم نے مشہور کیا۔ اب نہ ویسے دریا دل رئیس ہیں، نہ عالم متبحر، ملت کی کشتی مجدھار میں ڈوب رہی ہے، اگر بیڑا پار ہوسکتا ہے تو جزیرۂ خضراء کا تاجدار عجبہ قوم کو گرداب فنا سے نکالے ایسا نہیں ہے کہ ''ملاح در چین و کشتی در فرنگ''، وہ رگ گردن سے قریب ہیں اور مادیت کے بہاؤ میں ہم فنا کے گھاٹ پہنچائے نہیں جاسکتے وَارِثِ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ابھی موجود ہے۔

مقدمہ بلا فصل

سیرت ممدوح میں چند مفسدہ پرداز مسلمانوں کا مومنین ڈالی گنج پار سے تصادم وہ اہم ترین واقعہ ہے جس نے رفتہ رفتہ پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور مسلمانان لکھنؤ کے لئے یہ باہمی جنگ حد درجہ تباہ کن تھی۔ اس فرقہ وارانہ فساد کا پورا حال جناب کی بسیط سوانح حیات ''کتاب کریم فی ترجمۃ ابراہیم'' میں ناچیز مولف نے لکھا ہے اور اس خطی کتاب سے جو چھپنے نہیں پائی ریاضی جنتری ۱۹۳۱ء میں ضروری اقتباسات مرتب کر کے خود احقر نے شائع کئے۔ اس کا خلاصہ اس سیرت میں درج کیا جاتا ہے۔ لکھنؤ جب شیعیت کا مرکز اور فقہ جعفری کے فروغ کی پرشکوہ منزل تھا۔ رعایا پرور نواب اور پھر سلاطین اودھ نے ہر مذہب کو رواسم دینی میں آزاد کر رکھا تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں عام مسلمانوں میں عظیم بے چینی اور فوج کا خلفشار جس کو انگریز بغاوت کی لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کارتوس کے جائز الاستعمال ہونے یا نہ ہونے ہی کے سلسلے میں شروع ہو کر صوبہ کے چپہ چپہ میں اختلاف کی آگ مشتعل ہو کر خونریزی کی صورت میں تبدیل ہوئی اور ملکہ

وکٹوریہ آنجہانی نے اپنے اعلان عام مورخہ یکم نومبر ۱۸۵۸ء میں اقرار کیا کہ قوانین وقت کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ کسی کا مذہب ترک کرایا جائے۔

فتنہ پرور اور مفسدہ پرداز عنصر ہمیشہ ہر قوم میں رہا کرتا ہے جو کبھی تو مقتضائے طبیعت سے نیش زنی اور کبھی فکر اقتدار میں امن کو برباد کرتا ہے۔ اس تنگ نظر طبقہ کی طرف سے پہلے تو اذان کے وقت دھنیا مہری کی مسجد واقع مولوی گنج میں بلوہ ہوا، پھر خاص چوک میں بساطیوں کی مسجد پر آثار فساد نمایاں ہوئے شہر کے سنجیدہ اور پڑھے لکھے طبقے میں زور پکڑنے نہیں پایا۔ ہمیشہ مسلمان متحد اور شیر وشکر تھے۔ اس ناکامی پر تخریب پیدا کرنے والے عنصر نے شہر کے باہر دریائے گومتی کے شمالی حصے میں بانسمنڈی کے نام سے جو علاقہ مشہور ہے ۶ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۹ مارچ ۱۸۸۹ء کو ظہر کی اذان کے وقت اقلیت پر وہاں کی اکثریت نے دھاوا کر دیا۔ دونوں طرف کے لوگ زخمی ہوئے۔ ضمانت مچلکہ اور بہتیرے حوالات میں ماہ صیام کے متبرک ایام تک قید رہے۔ جناب غفران مآبؒ اور ان کی اولاد ہمیشہ مسلم اتحاد کے حامی رہے حسب دفعہ ۱۴۷ تعزیرات ہند، ڈبلو۔ ایچ۔ کاب، سٹی مجسٹریٹ کی عدالت سے استغاثہ میں کامیابی نہ ہوئی، انگریز سنی شیعہ اتحاد کہاں دیکھ سکتا تھا احمد حسین، آصف حسین، رضا حسین ولد امداد علی اور معلوم نہیں کتنے بے گناہوں کو چھ مہینہ اور تین مہینہ کی سزائیں ہوئیں۔ ۲۱ جون کو کمشنر کی عدالت میں اپیل ہوئی اور ناکامی کے بعد ۱۲ جولائی کو جوڈیشلی میں اپیل ثانی سے بھی انصاف کی توقع نہ ہوئی اور عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہا۔

یوروپین حکام نے دادرسی نہ کر کے دریاپار کے اس فساد کو وہ اہمیت دے دی کہ قریب تھا کہ پورا شہر میدان جنگ ہوجائے۔ ادھر تو فریق مخالف اس فساد کو ہمہ گیر قرار دینے کی کوشش میں، ادھر بعض جاہ پسند حکام میں حکومت کی چاپلوسی میں انگریز کے فیصلہ کو حرف آخر تسلیم کرنے پر تلے ہوئے اور اسیروں کے جیل پہنچنے پر جیٹھ بیساکھ کی گرمی ان کو چکی پیسنے میں مجرم اور حق بجانب سمجھنے پر تیار یہ وہ قومی مصیبت تھی جس نے حکومت کے دست تعدی کو سراسر ظلم اور فیصلہ کو کسی عظیم کشت وخون کا پیش خیمہ سمجھنے میں فکر ونظر کا محتاج نہ رکھا، فردوس مکان اصلاح کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

کرنیل نیوبری اور فردوس مکان

تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمانوں پر برا وقت پڑتا ہے تو نئی نئی صورتیں ان کے تنزل وانحطاط کی پیدا ہوتی ہیں اور امن وارتقاء کا روز مسرت دور ہوتا جاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ حکام کو کچھ لوگوں نے باور کرادیا کہ اذان سے بلافصل کی لفظ ترک ہوسکتی ہے اور فرقہ امامیہ کی عنان ہدایت شمس العلماء سید محمد ابراہیم صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی طرف سے حذف واسقاط ہو، تو فسادات فرو ہوجائیں۔ سادہ لوح حاکم نے اس جماعت کے لیڈروں کو امید دلائی کہ ہم مجتہد صاحب سے خواہش کر کے بلافصل ترک کرا دیں گے۔ یہ منصوبہ بزعم خود ایک ایسا جذبہ رکھتا تھا کہ مخالف کی صدا پر جن کو دلچسپی اصل موضوع سے نہ تھی، وہ بھی سمٹ آئے اور صاحب نے قبلہ وکعبہ کو اپنے بنگلہ پر بلا بھیجا۔ ماہ صیام کا زمانہ تھا اور جناب کو اس دن کی خبر نہ تھی کہ ان کے بارے میں کوئی یہ رائے قائم کرے گا کہ وہ ارکان مذہب میں

ترمیم وتنسیخ کا حق بھی رکھتے ہیں۔ وہ نماز جماعت تلاوت قرآن اور وعظ سے بمشکل وقت نکال کر F. M. Newbery کے بنگلہ فینس پر سوار ہو کے روانہ ہوئے پیدل چلنے والوں کے لئے عقب مسجد تحسین شریعت کدہ سے سول لائن کا راستہ ڈیوڑھی آغا میر کے بڑے پل کے نیچے سے اب تک ہے اور اس موڑ پر اقتدار الدولہ محتشم الملک نواب مہدی علی خاں ضیغم جنگ کی کوٹھی ہے نواب سرکار فردوس مکان کے مخصوص مقلدین میں اور شہر کی چوٹی پر کے رئیس گرد وپیش کے حالات سے باخبر اچانک قصر وزارت سے ان کی نظر فینس پر پڑی جو شریعت کدہ سے تنہا چلی تھی صرف امیر علی خدمت گار ساتھ تھا اطراف شہر میں انگریز کے فیصلہ سے جوش پھیل چکا تھا۔ قبلہ وکعبہ گھر سے بہت کم برآمد ہوتے تھے جس کی نظر پڑی وہ ساتھ ہولیا۔ شیعہ پبلک میں کچھ ایسے بھی تھے جن کو اگر گاڑی تیار کرنے کا حکم دیتے تو وقت گذرتا اور پوشاک بدلتے تو دیر ہوتی، کرتہ پہنے ہوئے نکل آئے، بے زین ولجام گھوڑے کی پشت پر بیٹھے اور روانہ ہوئے۔ راہ میں اہل ایمان کا سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آیا۔ جناب بنگلہ پر پہنچ چکے تھے۔ ان کی حیرت کی بھی کوئی حد نہ رہی کہ چودھری نصرت علی، اظہر علی وکیل، محمد یعقوب پروپرائیٹر اخبار کارنامہ منشی احتشام علی عاشق جعفر اور دوسرے لیڈر جمع تھے نواب اس میٹنگ کے مدعو شدہ نہ تھے برآمدہ میں ٹھہرے اور سخت لب ولہجہ میں جو گفتگو سنی وہ یہ تھی:

کرنل نیوبری: میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اس عرصہ میں کوئی رائے قائم کی ہوگی۔ جناب: میری رائے وہی ہے جو پہلی ملاقات میں ظاہر کر چکا ہوں۔

کرنل: کیا ہو جانے والے فساد کے ذمہ دار آپ ہیں؟

جناب: مجھے افسوس ہے کہ واقعہ کی نوعیت پر گورنمنٹ نے غور نہیں کیا ایک مجتہد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی فریضہ مذہب کو ترک کرا دے اور وہ ترک[1] بھی ہو جائے۔ میرے مقلدین میں پیشہ ور اور نیچ قوم کے لوگ نہیں ہیں، جو سمجھا دیا جائے، ویسا کہنے لگیں۔ میرا حلقہ اثر تعلیم یافتہ لوگوں سے بھرا ہوا ہے جو خود اپنے مذہبی فرائض کو اپنی عقل سے سمجھتے ہیں۔

صاحب: ہم تو بلافصل کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مسلمانوں کے ہادیان دین کی توہین ہوتی ہے۔

جناب: میں کہہ چکا ہوں کہ یہ استعمال قدیم الایام سے جاری ہے اور آج یہ رواج پہلی پہل ہوا، نہ اس کو سواد اعظم میں اس سے پہلے اپنے اسلاف کی اہانت کا سبب کہا۔

صاحب: (بات کاٹ کر) ناظم آغا علی خان کی طرف متوجہ ہوا اور کہا نواب آپ بتائیں کہ یہ رسم کیا ہمیشہ سے جاری ہے؟

(ا) آفرین اس مجاہد اعظم کے جہاد نفس پر جس نے جوابات کو ذاتیات سے بہت دور کیا اور اپنے دل و دماغ اور جذبات پر بھرپور قابو رکھتے ہوئے ملاقات کو میدان مناظرہ نہیں بنایا اور اس نقطہ پر نہیں گئے جو تیرہ سو برس سے زبان وقلم سے زیر بحث رہنے پر بھی نہ سلجھا۔ انھوں نے کتاب الٰہی انجیل میں تصرفات کا دروازہ نہیں کھولا۔ وہ یہ کہنے پر تیار نہیں ہوئے کہ ہمارا مسلک ہر قرن میں حذف وایزاد سے پاک رہا، تغیر وتبدل نہ شیوہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

آغا علی خان ناظم: حضور میں بوڑھا ہوں۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ اذان میں بلافصل ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔

جناب: تم دین فروش ہو تمہیں نہیں معلوم کہ اس کا اظہار عین ایمان ہے۔

رئیس مذکور نے انس بن مالک اور سیرت زید بن ارقم کا سہارا لیا تھا وہ اگر صحیح ہوتا تو کچھ اور کہتے چپ ہو گئے۔ اور صاحب نے جناب کو غصہ

میں دیکھ کر لہجہ بدلا۔

صاحب: میں آپ سے اگر کوئی چیز مانگتا تو آپ یہ سمجھ کر میری بات رکھ لیتے کہ میں نے مانگا اور آپ نے دیا۔

جناب: آپ کو نہیں معلوم جو چیز دینے کی نہیں ہوتی، وہ نہیں دی جاتی۔میرا سر حاضر ہے مگر مذہب پر آنچ آنے نہ دوں گا اور گورنمنٹ بھی کسی کے مذہب کو نہ لے گی۔

صاحب نے ان کے مولویوں اور لیڈروں کی طرف رخ کر کے کہا میں سوال کر چکا آپ لوگ مجتہد صاحب کو اپنا باپ سمجھ کر دامن پھیلا کر سوال کریں۔میں امید کرتا ہوں کہ مجتہد صاحب اپنی اولاد سمجھیں گے۔آپ کی بات نہ ٹالیں گے۔

حزب مخالف علماء اور دیگر لیڈران اپنی اپنی جگہ سے اُٹھے اور جناب کے سامنے دامن پھیلا کر سوال کیا۔جناب نے فرمایا: ''اگر یہ علماء اذان سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ خارج کر دیں تو میں بلافصل کو نکال دوں''، یہ تمام سوال و جواب دو گھنٹہ تک جاری رہا اور کرنیل نے یہ دیکھ کر کہ سید العلماء اپنی بات پر باقی ہیں، سختی شروع کی اور ترش ہو کر کہا میں آپ کو دو مہینہ کی مہلت دیتا ہوں اور پہاڑ پر سے واپس ہو کر خود فیصلہ کروں گا لیکن اس کا لحاظ کیجئے کہ گورنمنٹ کے پاس توپ، بندوق وفوج سب کچھ ہے۔ یہاں تک سلسلہ کلام پہنچا تھا کہ نواب مہدی علی خان بہادر جو برآمدہ میں ٹہل رہے تھے اچانک چلمن اٹھا کر ملاقاتی کمرہ میں داخل ہوئے اور صاحب سے کہا کہ اگر جناب کا بال بیکا ہوا تو ملک میں خون کی ندیاں بہیں گی، میں نے کرتہ کفن سمجھ کر پہنا ہے۔صاحب سے گفتگو کے بعد جناب سے عرض کیا: ''قبلہ وکعبہ اٹھیں مستقبل کا انتظار کریں گے۔'' جناب پالکی میں سوار ہوئے،

نواب گھوڑے پر، ساتھ ساتھ ہزاروں اشخاص کے مجمع میں شریعت کدہ پر واپس ہوئے۔ نیوبری کی اس سخت گفتگو پر پبلک میں جو ہیجان ہوا، وہ جناب کی عظیم المرتبت شخصیت نے خطرہ کی حد تک پہنچنے نہ دیا اور عوام کو اپنے قابو میں رکھتے ہوئے براہ راست ملکہ وکٹوریہ آنجہانی سے اطلاع کا مصمم ارادہ کیا۔ اور اس عزم بالجزم کے ساتھ لندن کے حلقہ اثر میں اپنے دوسرے انگریز دوستوں کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ یہ تمام حکام آپ کے علمی کمالات کے معترف اور حلقہ بگوش تھے۔

دوسرا خط ایم۔اے۔ ڈلن کو بھیجا اور حالات دہرائے۔ صاحب موصوف نے ۱۴ر فروری ۱۸۸۹ء کی چٹھی میں اپنی معذوری کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا کہ ملکہ معظمہ سے نامہ و پیام گورنر جنرل کی وساطت سے ہونا چاہیئے۔ گردوپیش جب سازگار نہ تھا تو یہ طریق کار نفع بخش کہاں ہوسکتا تھا! جناب نے خدا پر بھروسہ کرکے براہ راست ملکہ معظمہ سے احتجاج کیا اس خط وکتابت کو خود جرم قرار دینے والے طبقہ کے مشورہ کو قبول نہ کیا۔

لکھنؤ کے ایک لاکھ شیعہ امید وبیم میں اپنی روایات کے قائم رکھنے میں آزادی سلب ہوجانے کے غم وغصہ، اطمینان کی سانس لینے سے قاصر، سمندر پار سے انصاف کی لَو لگائے ہوئے، زندگی سے ہاتھ دھوئے ہوئے، وقت کے منتظر تھے۔ ملکہ معظمہ کی چٹھی موصول ہوئی۔ لوکل گورنمنٹ کا فیصلہ منسوخ۔ کرنل نیوبری کا لکھنؤ سے تبادلہ۔ بلافصل کی حسب رواج سابق عام اجازت۔ اسیر رہا کئے جائیں۔

کرنل نیوبری کو اپنے عہدے کا چارج دینے کی نوبت آنے سے پہلے موت کا پیام آیا۔ وہ حرکت قلب رکنے سے مرگئے۔ شہر میں حق کی فتح پر ہر طرف آثار مسرت وابتہاج۔ مسجدیں چراغاں سے بقعہ نور نظر آتی تھیں اور

AAYATULLAHIL UZMA SAYYIDUL ULAMA

SAYYID MUHAMMAD IBRAAHEEM FIRDAUS MAKAAN (R.H)

BY

ZUBDATUL ULAMA MAULANA SAYYID AAGHA MAHDI

PUBLISHER

DIGITAL LIBRARY OF NOOR-E-HIDAYAT FOUNDATION
IMAM BARA GHUFRAAN MAAB, MAULANA KALBE HUSAIN ROAD, CHOWK,
LUCKNOW,226003(UP)INDIA
PHONE-0522-2252230,08736009814
EMAIL:noorehidayat@gmail.COM
WEBSITE:www.noorehidayatfoundation.org